نظام مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم اور انسداد جرائم

بنیادی عناصر "تربیت، عدل اور سزا"

مولانا محمد صدیق ہزاروی
ممبر اسلامی نظریاتی کونسل

نظام شریعت یا نظام مصطفیٰ اسلام کا عادلانہ نظام حکومت ہے جو قیام امن کا باعث اور جرائم کے خاتمہ کا ضامن ہے۔ اس پر قرآن وحدیث کے دلائل اور اسلامی تاریخ کے مبنی برصداقت واقعات شاہد عدل ہیں۔

لیکن افسوس ناک بات یہ ہے کہ جب بھی مملکت خداداد پاکستان میں نظام مصطفیٰ کے نفاذ کی بات ہوتی ہے تو ایک طبقہ ایک پاکیزہ نظام کے خلاف ایک طوفان بدتمیزی کھڑا کر دیتا ہے اور اسلامی نظام حکومت کو محض سزاؤں کا نظام قرار دے کر سادہ لوح مسلمانوں کو اس بابرکت نظام سے متنفر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ تعجب خیز بات تو یہ ہے کہ یہ طبقہ جرائم کی خرابیوں سے صرفِ نظر کرتا اور شیرہ چشم بن جاتا ہے اور ان کی خامیوں کو حسن و جمال کا لباس پہناتا ہے جبکہ جرائم کے انسداد کے لئے اسلام کی تجویز کردہ سزاؤں کو جو ایک پرامن معاشرے کے قیام میں ممد ومعاون ثابت ہوتی ہیں ظلم وستم اور نہ معلوم کن کن القابات سے نوازتا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اسلامی نظام کا مقصد سزائیں دینا نہیں بلکہ جرائم کا قلع قمع کرنا اور معاشرے کو انتشار، دہشت گردی اور خوف وہراس کی فضا سے پاک کرنا ہے۔

معروف مذہبی سکالر عبدالقادر عودہ لکھتے ہیں۔

ان الشريعة الاسلامية اعتبرت بعض الافعال جرائم و عاقبت عليها لحفظ مصالح الجماعة و لصيانة النظام الذى تقوم عليه الجماعةوضمان بقاء جماعة قوية متضامنة متخلقة بالأخلاق الفاضلة والله الذى شرع هذه الاحكام و امر بها لاتضره معصية عاص ولو عصاه اهل الارض جميعا و لا تنفعه طاعه مطيع ولواطاعة اهل الارض جميعا و لكنه كتب على نفسه الرحمة و لم يرسل الرسل الا رحمة للعالمين لاستنقاذهم من الجهالة وارشاد هم من الضلالة و لكفهم من المعاصى و بعثم على الطاعة.(۱)

''شریعت اسلامیہ نے بعض کاموں کو جرم قرار دے کر ان پر سزائیں مقرر کی ہیں تاکہ (مسلمانوں کے) اجتماعی مصالح کی حفاظت ہو اور وہ نظام جو جماعت کے قیام کا باعث ہے محفوظ رہے اور جماعت کو اپنی مضبوطی، اتصال اور اچھے اخلاق سے موصوف ہونے کی ضمانت حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ جس نے ان احکام کو شریعت کا درجہ دیا اور ان کا حکم دیا اسے کسی گناہ گار کا گناہ نقصان نہیں پہنچا سکتا اگرچہ زمین پر رہنے والے تمام لوگ اس کی نافرمانی کریں اور کسی عبادت گزار کی عبادت کا فائدہ بھی اسے نہیں پہنچتا اگرچہ تمام اہل زمین اس کے فرمانبردار ہو جائیں لیکن اس نے اپنے ذمہ کرم پر رحمت کو لازم کیا ہے اور جن رسل عظام کو بھیجا ان کو بھی رحمت بنا کر بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو جہالت سے دور رکھیں گمراہی سے ہدایت کی طرف بلائیں گناہوں سے باز رکھیں اور فرمانبرداری کی ترغیب دیں''۔

جرائم پر سزا صرف اسلامی نظام میں ہی نہیں انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین بھی جرم پر سزا کو ضروری سمجھتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ جب تک مجرم کو سزا نہ دی جائے معاشرتی امن وسکون کا حصول ممکن نہیں۔

چنانچہ اس سلسلے میں عبدالقادر عودہ لکھتے ہیں۔

و تتفق الشريعة الاسلامية مع القوانين الوضعية فى ان الغرض من تقرير الجرائم و العقاب عليها هو حفظ مصلحة الجماعة و صيانة نظامها و ضمان بقائها (۲)

''اور اسلامی شریعت اور موجودہ انسانی قوانین دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ جرائم کو جرائم قرار دیتے ہوئے ان پر سزا دینا اجتماعی مصالح کی حفاظت، اجتماعی نظام کو محفوظ رکھنا اور قوم و ملت کی بقا کی ضمانت ہے''۔

اسلام نے جرائم کے انسداد کے لئے بنیادی طور پر تین طریقے اختیار کئے ہیں (۱) اخلاقی تربیت (۲) عدل و انصاف کا نظام اور (۳) سزائیں

اخلاقی تربیت

نظام مصطفیٰ کی بنیادی خشت اخلاقی تربیت ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو اس بات کا درس دیتا ہے کہ جرائم کا ارتکاب ایمانی تقاضے کے خلاف ہے لہٰذا ایک مسلمان کی حیثیت سے تمہارا یہ فرض ہے کہ تم جرائم کی وادی میں قدم نہ رکھو، دوسروں کی عزت، جان و مال کو اپنی عزت، جان اور مال کی طرح سمجھو۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

المسلم اخو المسلم لا یظلمه و لا یخذله و لا یحقره، التقویٰ ههنا و یشیر الیٰ صدره ثلاث مرات، بحسب امری من الشران یحقر اخاه المسلم، کل المسلم علی المسلم حرام دمه و ماله و عرضه (۳)

''مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اسے ذلیل کرتا ہے اور نہ ہی اسے حقیر جانتا ہے آپ ﷺ نے تین مرتبہ اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تقویٰ یہاں (دل میں) ہے کسی انسان کے برا ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے ہر مسلمان کا خون، مال اور عزت دوسرے پر حرام ہے''۔

بلکہ اخلاق عالیہ سے اتصاف اور معاشرے کے دوسرے افراد سے حسن سلوک کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی بنیاد قرار دیا گیا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی قراد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا تو صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کے وضو کا پانی اپنے چہروں پر ملنے لگے آپ ﷺ نے پوچھا تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ایسا کر رہے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس آدمی کو یہ بات پسند ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرے یا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے محبت کریں تو وہ بات کرتے وقت سچ بولے اس کے پاس امانت رکھی جائے تو ادا کرے اور اپنے دوست احباب اور پڑوسیوں سے اچھا سلوک کرے۔ (۴)

جرائم سے محفوظ رکھنے کا ایک اور حکمت بھرا انداز ملاحظہ کیجئے

عن ابی هریره رضی الله عنه قال، قال رسول الله صلی الله علیه و سلم لایزنی الزانی حین یزنی و هو مومن و لا یسرق السارق حین یسرق و هومومن و لایشرب الخمرحین یشربها و هو مومن و لا ینتهب نهبة یرفع الناس الیه فیها ابصارهم حین ینتهبها و هومومن و لا یغل احد کم حین یغل و هو مومن فایاکم فایاکم (۵)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زانی جب زنا کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا شرابی جب شراب پیتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا اور کسی کی کوئی چیز جب اچکتا ہے اور لوگ اس کی طرف دیکھ رہے ہوتے ہیں تو وہ مومن نہیں ہوتا اور جب خیانت کرتا ہے تو مومن نہیں ہوتا پس تم بچو بس تم بچو''۔

یہ بات مسلمہ ہے کہ عملی خرابی چاہے گناہ کبیرہ کی صورت میں ہی کیوں نہ ہو اس کی وجہ سے آدمی ایمان سے محروم نہیں ہوتا لہٰذا چور، زانی، شرابی، اچکا اور خائن ان جرائم کے باوجود مومن بھی رہتے ہیں لیکن اس کے باوجود حدیث شریف میں ان لوگوں کے ایمان کی نفی کی گئی اور اس نفی کو ان اعمال سے معلق کیا گیا یعنی جب وہ یہ کام کرتا ہے تو مومن نہیں ہوتا اور اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس بات سے آگاہ کیا جا رہا ہے کہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مومن ان جرائم کے قریب نہ پھٹکے۔

اختصار کے پیش نظر ہم نے صرف تین احادیث پیش کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ ان احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسا راستہ بتایا کہ اس کو اپنانے کے بعد جرم کا تصور بھی باقی نہیں رہتا اور سزا تو جرم کے بعد ہوتی ہے مسلمان کو مسلمان کا بھائی قرار دے کر قتل، چوری، الزام تراشی اور زنا کاری سے روکا۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا تقاضا بتایا کہ سچ بولے، خیانت نہ کرے اور جن لوگوں کے ساتھ قرب ہو رشتہ داری کا، دوستی کا، سفر کا، پڑوس کا، ان سب سے حسن سلوک کرے اور پھر ایمان کا تقاضا بتایا کہ اگر تم مومن ہو تو چوری، شراب نوشی، قتل، دوسروں کا مال چھیننے اور خیانت سے باز رہنا ہوگا۔

خدا لگتی بات تو یہ ہے کہ اگر افراد معاشرہ کی تربیت کی جائے اور عدل و انصاف کا نظام قائم کیا جائے تو صرف ترہیب و ترغیب سے ہی جرائم کا خاتمہ ہو جائے گا لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ دلوں میں خوف پیدا کرنے اور اخلاق حسنہ سے آگاہی کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ٹھوس نظام قائم کیا جائے۔ تبلیغ دین کو عام کیا جائے، فرقہ وارانہ تقاریر پر سختی سے پابندی لگائی جائے اور نشر و اشاعت کے تمام اداروں کو تبلیغ دین کے لئے بھرپور کردار ادا کرنے کا پابند بنایا جائے۔ یہی نہیں بلکہ منکرات و فواحش کا قلع قمع بھی ضروری ہے۔ اخبارات میں چھپنے والی حیاباختہ تصاویر اور ٹی وی پر بے حیائی کی دعوت دینے والے مناظر پر قانوناً پابندی لگائی جائے۔

اُخروی سزا

جرائم کے خاتمے کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاقی تربیت کے بعد جو دوسرا نظام قائم کیا وہ اخروی سزا ہے اور اس کے

ساتھ ساتھ آخرت پر عقیدے کو اسلامی عقائد میں شامل کر کے اہل ایمان کو اس بات کی طرف متوجہ کیا کہ ''انسان جو کچھ بوتا ہے وہی کاٹتا ہے'' کے مطابق یوم جزا و سزا پر ایمان، خلافِ عقل نہیں بلکہ خود تاریخ میں مکافات عمل کی بے شمار مثالیں اس بات کی گواہ ہیں کہ بالآخر انسان اپنے کیے کی سزا پاتا ہے اور اچھے اعمال کا انعام بھی حاصل کرتا ہے، یوم آخرت پر ایمان کا یہی مطلب ہے۔

قرآن پاک میں جرائم مثلاً شراب نوشی، زناکاری، چوری وغیرہ کی دنیوی سزا کے ساتھ ساتھ اخروی سزا کو بھی بیان کیا گیا۔

اس سے پہلے کہ اخروی سزا کا فلسفہ بیان کیا جائے، مختلف سزاؤں سے متعلق قرآنی آیات جو دنیوی اور اخروی دونوں سزاؤں کی خبر دیتی ہیں، درج کی جاتی ہیں: جان بوجھ کر قتل کرنے والے کی دنیوی سزا کو قرآن پاک میں یوں بیان کیا گیا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلٰى. (۶)

''اے ایمان والو! تم پر مقتولوں کے بارے میں قصاص فرض کیا گیا''۔

اور اس جرم کی اخروی سزا کا یوں ذکر فرمایا

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا. (۷)

''اور جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے وہ اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب اور لعنت ہے اور (اللہ تعالیٰ نے) اس کے لئے بہت بڑا عذاب تیار کیا ہے''۔

ڈاکوؤں اور لٹیروں کے بارے میں دونوں سزاؤں کا ذکر کرتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ. ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (۸)

''بے شک ان لوگوں کی سزا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑتے اور زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں، یہ ہے کہ ان کو قتل کیا جائے یا ان کو سولی پر چڑھایا جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں اول بدل کر کاٹے جائیں یا انہیں ملک بدر کر دیا جائے یہ ان کے لیے دنیوی ذلت ہے اور ان کے لئے آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے''۔

بے حیائی پھیلانے والوں کی دنیوی اور اخروی سزا کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ. (۹)

''بے شک وہ لوگ جو ایمان والوں میں بے حیائی پھیلانا پسند کرتے ہیں ان کے لیے دنیا اور آخرت میں عذاب ہے''۔

زنا کی سزا جو دنیا میں دی جاتی ہے اس کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِىْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (۱۰)

''زانیہ (عورت) اور زانی (مرد) میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو'' (بشرطیکہ غیر محصن ہوں ورنہ رجم کی سزا ہے)۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ. وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا. يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا (۱۱)

''اور جو لوگ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو معبود نہیں مانتے اور نہ کسی جان کو ناحق قتل کرتے ہیں جس کا قتل حرام ہے اور نہ وہ زنا کرتے ہیں۔ اور جو ایسا کرے وہ گناہگار ہے اس کے لیے قیامت کے دن دوگنا عذاب ہوگا اور وہ اس میں ذلت کے ساتھ ہمیشہ رہے گا''۔

ایک شبہ کا ازالہ:

اگر کسی شخص کو دنیا میں سزا مل جائے یا دنیوی سزا سے بچ جائے تو کیا پھر وہ جہنم کے عذاب میں مبتلا ہوگا؟ تو اس کا جواب خود قرآن پاک میں دیا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ. وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (۱۲)

''مگر وہ شخص جو توبہ کرلے اور (اب) اچھے اعمال کرے، تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے''۔

مطلب یہ ہے کہ توبہ اور آئندہ کے لیے اس گناہ سے دور رہنے کی وجہ سے وہ اخروی عذاب سے بچ جاتا ہے۔ دنیوی اور اخروی دونوں سزاؤں کے سلسلے میں چند جرائم سے متعلق آیات قرآنیہ پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہوئے ہم اس بات کی طرف آتے ہیں کہ جب دنیوی سزا مقرر کر دی گئی تو اخروی سزا کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ ایک جرم کی دو سزائیں مقرر کرنے کی آخر کیا وجہ ہے؟

اخروی سزا مقرر کرنے کا بنیادی مقصد بھی گناہوں سے باز رکھنا ہی ہے اور ان سزاؤں کا ذکر مسلمانوں کو یہ بات سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ اگر ہم سفارش و رشوت یا کسی دوسرے غیر قانونی اور غیر اخلاقی ہتھکنڈے کی وجہ سے دنیوی سزا سے بچ بھی جائیں تو قیامت کے دن اس جرم کی سزا ضرور بھگتنا ہوگی۔ تو یہ بات سوچ کر آدمی گناہ سے باز رہتا ہے بلکہ اگر اس کا کوئی نادان دوست اس کی پشت پناہی کرتے ہوئے اسے کسی جرم پر مجبور بھی کرتا ہے تو وہ کہہ دیتا ہے کہ آج تو تم مجھے چھڑا لوگے لیکن کل قیامت کے دن مجھے سزا سے کون بچائے گا؟

خلاصہ یہ ہوا کہ تعلیم و تربیت اور آخرت کا خوف دونوں باتیں جرائم کے انسداد میں بنیادی کردار کی حامل ہیں۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بات بھی پیش نظر رکھنا ہوگی کہ جب چوری، ڈکیتی، قتل، زنا، الزام تراشی وغیرہ تمام جرائم کی دنیوی سزائیں قرآن وسنت میں بیان کر دی گئیں تو گویا سزاؤں کا یہ بیان خود جرائم کے راستے میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔

حدود اور شبہات

جب تربیت اور خوفِ آخرت بھی مجرم کا ہاتھ نہ روک سکے اور وہ جرم کا مرتکب ہو تو بھی کوشش کی جاتی ہے کہ اسے سزا دینے کے بجائے توبہ کا راستہ دکھایا جائے اور اصلاح کا موقع دیا جائے۔ اس لیے شریعتِ اسلامیہ میں جرم کے ثبوت کے لیے نہایت مشکل راستہ اختیار کیا گیا اور حدود کو ساقط کرنے کے لیے شبہات کی دیوار کھڑی کردی گئی یعنی جن سزاؤں کو حدود کہا گیا اور وہ شرعی طور پر مقرر ہیں حاکم کی صوابدید پر موقوف نہیں ہیں مثلاً زنا، شراب نوشی، سرقہ اور قذف وغیرہ یا قصاص ہے تو ان جرائم کا قطعی ثبوت ضروری ہے جہاں بھی شبہ پیدا ہوگا حد ساقط ہو جائے گی۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ادرء واالحدود عن المسلمین ما استطعتم فان کان له مخرج فخلوا سبیله، الامام ان یخطی فی العفو خیر من ان یخطی فی العقوبة۔(۱۳)

''جس قدر ہو سکے مسلمانوں سے حدود کو دور کرو پس اگر اس کے لیے (بچنے کا) کوئی راستہ ہو تو اس کا راستہ چھوڑ دو کیونکہ امام (حکمران) کا معاف کرنے میں غلطی کرنا سزا دینے میں غلطی کرنے سے بہتر ہے''۔

یہی وجہ ہے کہ حدود و قصاص کے ثبوت میں شبہات کی گنجائش نہیں ہے چنانچہ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ عورت قاضی بن سکتی ہے لیکن حدود و قصاص میں اس کی قضاء جائز نہیں ہے چنانچہ ہدایہ میں ہے:

ویجوز قضاء المرأة فی کل شئ الافی الحدود و القصاص اعتباراً بشهادتها فیهما۔ (۱۴)

''اور عورت کا قاضی بنا جائز ہے لیکن وہ حدود و قصاص میں فیصلہ نہیں کرسکتی، ان دونوں قسم کے جرائم میں اس کی شہادت کی حیثیت کا اعتبار کرتے ہوئے''۔

مطلب یہ ہے کہ چونکہ قاضی بننے کے لیے ضروری ہے کہ وہ شخص گواہی دینے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو اور چونکہ حدود و قصاص میں عورت کی گواہی قبول نہیں ہوتی اس لیے حدود و قصاص میں وہ قاضی بھی نہیں بن سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت کی شہادت میں بدل اور نیابت کا شبہ ہے اور شبہات کی وجہ سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں۔ اس لیے حدود و قصاص میں عورت کی گواہی قبول نہیں ہے۔

ہدایہ میں ہے:

ولایقبل فیها (ای فی الزنا) شهادة النساء لحدیث الزهری رضی الله عنه مضت السنة من لدن رسول الله ﷺ والخلیفتین من بعده ان لاشهادة للنساء فی الحدود والقصاص ولان فیها شبهة البدلیة لقیامها مقام شهادة الرجال فلاتقبل فیما یندری بالشبهات۔(۱۵)

''اور (زنا میں) عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی جاتی ہے کیونکہ امام زہری کی روایت میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ اور پہلے دو خلفاء (حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما) سے یہ طریقہ چلا آ رہا ہے کہ حدود وقصاص میں عورتوں کی گواہی قبول نہیں ہوگی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس گواہی میں بدل ہونے کا شبہ ہے کیونکہ ایسی صورت میں یہ مردوں کی گواہی کی جگہ پر رکھی جائے گی۔ لہذا جو سزائیں شبہات سے ساقط ہوتی ہیں ان میں (عورتوں کی گواہی) قبول نہیں ہوگی''۔

علاوہ ازیں فقہاء کرام نے قرآن و حدیث کی روشنی میں اس بات کی بھی تصریح کی ہے اگر مدعی، شہادت کا مطالبہ کرے تو گواہوں پر لازم ہے کہ وہ گواہی دیں لیکن اس کے باوجود حدود میں گواہ کو اختیار ہے کہ وہ گناہ پر پردہ ڈالے یا گواہی دے بلکہ اس کو چھپانا افضل ہے۔ مختصر القدوری اور اس کی شرح ہدایہ میں ہے۔

الشهادة فرض تلزم الشهود ولا یسعهم کتمانها اذا طالبهم المدعی. والشهاده فی الحدود یخیرفیها الشاهد بین الستر والاظهار. لانه بین حسنتین اقامة الحدود و التوقی عن التهتك والستر افضل لقوله علیه السلام للذی شهد عنده لو سترته بثوبك لكان خیر الك۔(۱۶)

''شہادت فرض ہے جو گواہوں پر لازم ہے اور ان کے لیے گواہی چھپانے کی گنجائش نہیں جب مدعی ان سے مطالبہ کرے، لیکن حدود میں گواہی کے سلسلے میں گواہ کو جرم کے اظہار یا جرم پر پردہ ڈالنے کا اختیار ہے کیونکہ حدود کا قیام اور مسلمان کی عزت کا پردہ چاک کرنے سے بچنا دونوں اچھے کام ہیں لیکن پردہ ڈالنا افضل ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس شخص سے جس نے (زنا کی) گواہی دی تھی فرمایا اگر تم اس پر پردہ ڈالتے تو تمہارے لیے بہتر تھا''۔

گواہوں کی تعدیل اور جرح بھی نفاذ حدود کے سلسلے میں رکاوٹ ہے اور اگر مجرم خود اپنے گناہ کا اقرار کرتا ہے تو اس پر بھی جرح کی جاتی ہے اور ممکن ہے کہ وہ اپنے اعتراف سے باز رہ کر سزا سے بچ جائے۔ مضمون کی تنگ دامانی کے پیش نظر احتیاط سے کچھ فقہی حوالے پیش کیے جاتے ہیں۔ امام قدوری فرماتے ہیں:

واذا شهدوا لیسألهم الامام عن الزنا ماهو وکیف هو واین زنی و متی زنی وبمن زنی۔(۱۷)

''اور جب (چار گواہ) گواہی دے دیں تو امام (قاضی) ان سے زنا کے بارے میں سوال کرے کہ زنا کیا ہوتا ہے اس نے کہاں، کب اور کس سے یہ حرکت کی''۔

پھر یہ فرماتے ہیں:

لان النبی ﷺ استفسر ماعزا عن الکیفیة وعن المزنیة ولأن الاحتیاط فی ذلك واجب لانه عساه غیر الفعل فی الفرج عناه اوزنی فی دارالحرب او فی المتقادم من الزمان. (۱۸)

''کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ماعز سے زنا کی کیفیت اور اس عورت کے بارے میں سوال کیا جس سے زنا ہوا نیز اس میں احتیاط ہے کیونکہ ممکن ہے اس کی مراد مباشرت حقیقیہ کے بجائے کچھ اور ہو یا دارالحرب میں زنا کیا ہو یا بہت پہلے کسی زمانے میں کیا ہو''۔

فعدلوا فی السر والعلانیة حکم بشهادتهم ولم یکتف بظاهر العدالة فی الحدود احتیالا للدرء قال علیه السلام ''ادرء وا الحدود ما استطعتم'' بخلاف سائر الحقوق عند ابی حنیفة(۱۹)

''پس گواہ کا عدل پوشیدہ اور علانیہ معلوم کیا جائے تو قاضی ان کی شہادت پر فیصلہ کرے، اور محض ان کی ظاہری عدالت (فاسق نہ ہونا عدل ہے) پر اکتفا نہ کرے یعنی حد کو ساقط کرنے کے لیے یہ حیلہ کرے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جس قدر ہو سکے حدود جاری کرنے سے بچو، جب کہ باقی حقوق کا معاملہ دوسرا ہے، یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے''۔

یعنی دیگر حقوق میں گواہ کا ظاہری طور پر فاسق نہ ہونا ہی کافی ہے، خفیہ طور پر اس کے عدل کی اس طرح سے تحقیق ضروری نہیں ہے۔ جس طرح حدود کے معاملہ میں گواہوں سے اوپر ذکر کردہ سوال کیے جاتے ہیں، حدود میں اگر جرم، مجرم کے اقرار سے ثابت ہو تب بھی اس سے یہ سوالات کیے جائیں گے تاکہ حد کے نفاذ میں کوئی شبہ باقی نہ رہے۔

ہماری اس تمام گفتگو کا مقصد یہ بتانا نہیں ہے کہ اسلامی نظام میں جرم کی سزا نہیں دی جاتی بلکہ مقصود اس بات کی وضاحت ہے کہ چونکہ سزا کا مقصد جرائم کی روک تھام ہے، اس لیے حتی الامکان کوشش کی جاتی ہے کہ سزا نافذ نہ ہو اور مجرم محض توبہ کے ذریعے اپنی اصلاح کر لے۔

عدل و انصاف کا قیام

جرائم کے انسداد میں عدل کا قیام کلیدی کردار ادا کرتا ہے کیونکہ قیام عدل کا مطلب یہ ہے کہ جب جرم ثابت ہوجائے تو یہ نہ دیکھا جائے کہ مجرم کون ہے؟ بلکہ اس کے جرم کو سزا کا سبب سمجھتے ہوئے بلاامتیاز حد نافذ کی جائے۔ اس طریق کار کو اختیار کرنے سے جرائم کا خاتمہ اس طرح ہوتا ہے کہ جب ایک کمزور شخص یہ دیکھتا ہے کہ جرم کی سزا سے بڑے سے بڑے خاندان کا کوئی فرد بھی بچ نہیں سکتا تو مجھے کس طرح چھوٹ مل سکتی ہے تو اس طرح وہ جرم سے باز رہتا ہے۔ عام طور پر جرائم کی بھرمار صرف اس لیے ہوتی ہے کہ مجرم سزا سے بچ جاتا ہے، اس سلسلے میں قرآن وحدیث میں واضح رہنمائی ملتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى. (۲۰)

''اور جب بات کرو (فیصلہ کرو) تو انصاف سے کام لو اگرچہ قریبی رشتہ دار ہوں''۔

اسی طرح نفاذ حدود میں کسی قسم کی رعایت برتنے اور نرمی و شفقت سے کام لینے سے بھی منع فرمایا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ. (۲۱)

''اور تم ان دونوں (زانی مرد وعورت) کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں نرمی سے کام نہ لو اگر تم اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو''

حدود کے نفاذ کو مؤثر بنا کر جرائم کے قلع قمع کرنے کے عمل کو تحفظ دیتے ہوئے سفارش کا دروازہ بھی بند کر دیا گیا تاکہ ایسا نہ ہو کہ کوئی (بظاہر) معزز اور طاقتور سزا سے بچ جائے اور عدل و انصاف کا تقاضا پورا نہ ہونے کی وجہ سے اسلام کا نظام حدود بے کار ہو کر رہ جائے۔ چنانچہ جب قبیلہ قریش کی ایک عورت نے چوری کی تو اس کے قبیلے والوں نے حضرت اسامہؓ بن زید کو سفارش کے لیے بارگاہ نبوی میں بھیجا تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد میں سفارش کرتے ہو؟ پھر آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا تم سے پہلے لوگ اسی لیے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں سے کوئی معزز شخص چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد نافذ کرتے، قسم بخدا! اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرے، تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دوں۔ (۲۲)

عدل و انصاف کی اس سے عمدہ مثال کیا ہو سکتی ہے کہ چوری کرنے والی عورت معزز خاندان سے تعلق رکھتی ہے، سفارش کرنے والے رسول اکرم ﷺ کے محبوب صحابی ہیں لیکن یہ سب کچھ مجرم کو سزا سے بچا نہیں سکا بلکہ آنے والی نسلوں پر واضح کر دیا کہ چاہے کتنا بڑا انسان کیوں نہ ہو۔ اس سے رشتہ داری اور تعلق بھی نفاذ حدود کے سلسلے میں انصاف کے راستے میں رکاوٹ نہیں بن سکتا بلکہ اسلام نے تو غیر مسلموں سے بھی انصاف برتنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''اور اگر آپ ان (غیر مسلموں) کے درمیان بھی فیصلہ کریں تو انصاف سے فیصلہ کریں''۔ (۲۳)

اور اس بات سے بھی خبردار کیا گیا کہ کسی کی خواہش کے مطابق فیصلہ نہ ہو بلکہ جس کے تم نائب اور خلیفہ ہو اس کے احکام کو روبہ عمل لاؤ اور وہ اللہ

تعالیٰ کی ذات ہے جو حاکم اعلیٰ ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

''پس آپ ان کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ فرمائیں جو اللہ تعالیٰ نے اتارا اور آپ کے پاس جو حق آیا ہے اسے چھوڑ کر لوگوں کی خواہشات پر نہ چلیں''(۲۴)

اور یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ قرآن پاک بھی وحی الٰہی ہے اور حدیث بھی وحی ہے، قرآن وحی جلی ہے اور حدیث وحی خفی ہے لہذا حدیث شریف اور سنت بھی ''انزل اللہ'' میں داخل ہے اور یہ آیت اس بات کو واضح کر رہی ہے کہ سپریم لاء قرآن و سنت ہی ہوگا انسانی ذہن کا ساختہ قانون جب قرآن و سنت سے ٹکرائے گا تو وہ خواہشات قرار پائے گا اور اسے ترک کرنا ہوگا اور جب وہ قرآن و سنت سے مستنبط ہوگا تو وہ اسلامی ضابطہ ہے جیسے فقہاء اسلام کی فقہی کاوشیں قرآن و سنت سے مستنبط ہیں۔

انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے جہاں قرآن و سنت کو سپریم لاء تسلیم کرنا ضروری ہے وہاں منصب عدالت پر فائز ہوکر فیصلہ کرنے والی شخصیات کے دامن کا پاک و صاف ہونا بھی ضروری ہے چنانچہ حدیث شریف میں عہدۂ قضاء طلب کرنے کی ممانعت آئی ہے البتہ جب قوم کو ضرورت ہو اور کوئی دوسرا مناسب شخص نہ ہو تو طلب کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ ضروری ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا: امارت (حکومت و ولایت) کا سوال نہ کریں اگر تجھے مانگنے پر یہ (عہدہ) ملے گا تو تو اس کے حوالے کر دیا جائے گا اور طلب کیے بغیر ملے گا تو تیری مدد کی جائے گی۔(۲۵)

نبی کریم ﷺ کا حکومت یا طلب قضا سے منع کرنا اس مقصد کے تحت ہے کہ کہیں اس میں لالچ شامل نہ ہو جائے اور جب قاضی لالچی یا حریص ہوگا تو رشوت کو فروغ ملے گا اور عدل و انصاف کی دھجیاں اڑیں گی اگرچہ صحابہ کرام تو پاکیزہ شخصیات تھیں ان کے دلوں میں اس قسم کے لالچ کا تصور نہیں کیا جا سکتا لیکن آنے والی نسلوں کی پیش بندی فرمائی۔

صحیح اور انصاف پر مبنی فیصلے کے لیے اسلام نے قاضی پر کئی پابندیاں لگائی ہیں تاکہ فیصلے میں کسی قسم کی جانبداری یا زیادتی کا شبہ بھی پیدا نہ ہو۔ مثلاً قاضی، فریقین میں سے کسی کی مہمان نوازی نہ کرے، مجلس میں فریقین کو برابر جگہ دے، غصے، اکتاہٹ، بھوک اور پیاس کی حالت میں فیصلہ نہ کرے، اپنے علم کی بجائے دلائل کی بنیاد پر فیصلہ کرے، دیانت دار، ثقہ، نیک کردار اور مجتہد ہو، قاضی کا ایک سیکرٹری ہو جو ذاتی نہ ہو وغیرہ۔(۲۶)

چونکہ اسلامی سزاؤں اور حدود کا مقصد کسی کو سزا دینا نہیں بلکہ جرائم سے روکنا ہے اس لیے نظام مصطفیٰ میں اس بات کو بھی لازم قرار دیا گیا کہ جب مجرم کو سزا دی جائے تو وہاں مسلمانوں کی ایک جماعت موجود ہو جو اس عمل کو اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (۲۷)

''اور چاہیے کہ ان دونوں (زانی اور زانیہ) کی سزا کا مومنوں کی ایک جماعت مشاہدہ کرے''۔

خلاصہ کلام

یہ بات واضح ہے کہ طبائع انسانی مختلف ہیں بعض لوگ ترغیب وتبلیغ کی زبان سمجھتے ہیں اور خوف خدا کے پیش نظر گناہوں سے باز رہتے ہیں جب کہ بعض لوگوں کے لیے یہ طریقہ کارگر نہیں ہوتا اور اگر ان کو جرم پر سزا نہ دی جائے تو معاشرے میں انارکی پھیلتی ہے اس لیے اسلام نے سزا کا نظام قائم فرمایا، ہر معاشرے میں ایسا ہی ہوتا ہے یہ سزا خود اس مجرم اور دوسروں کو عبرت دلانے اور جرائم سے باز رہنے کے لیے دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نظام مصطفیٰ کو سمجھنے اور اس کو وطن عزیز میں نافذ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حوالہ جات

۱- التشریع الجنائی (عبدالقادر عودہ) جلد اول ص ۶۹:۷۰۔
۲- ایضاً، جلد اول، ص ۷۰۔
۳- مشکوٰۃ شریف، ص ۴۲۲، باب الشفقة والرحمة على الخلق۔
۴- ایضاً۔
۵- مشکوٰۃ شریف، ص ۱۷، باب الکبائر و علامات المنافق۔
۶- قرآن مجید، سورۃ بقرہ، آیت ۱۷۸۔
۷- قرآن مجید، سورہ النساء، آیت ۹۳۔
۸- قرآن مجید، سورہ مائدہ، آیت ۳۳۔
۹- قرآن مجید، سورہ نور، آیت ۱۹۔
۱۰- قرآن مجید، سورہ النساء، آیت ۲۔
۱۱- قرآن مجید، سورۂ فرقان آیت ۶۸، ۶۹۔
۱۲- قرآن مجید، سورہ فرقان، آیت ۷۰۔
۱۳- مشکوٰۃ شریف، کتاب الحدود، ص ۳۱۱۔
۱۴- ہدایہ ثالث، کتاب القاضی۔
۱۵- ایضاً، کتاب الشھادۃ۔
۱۶- ایضاً۔
۱۷- ہدایہ ثانی، کتاب الحدود، ص ۴۸۷۔
۱۸- ایضاً۔
۱۹- ایضاً۔
۲۰- قرآن مجید، سورہ انعام، آیت ۱۵۲۔
۲۱- قرآن مجید، سورہ نور، آیت ۲۔
۲۲- مشکوٰۃ شریف، ص ۳۱۴، باب الشفاعة في الحدود۔
۲۳- قرآن مجید، سورہ مائدہ، آیت ۴۲۔
۲۴- قرآن مجید، سورہ مائدہ، آیت ۴۸۔
۲۵- مشکوٰۃ شریف، ص ۳۲۰، کتاب الامارة والقضاء۔
۲۶- تفصیل کے لیے المبسوط للسرخسی، ادب القاضی۔
۲۷- قرآن مجید، سورہ نور، آیت ۲۔

امت کو درپیش مسائل کا حل
امام اعظم کی فقہی آراء کی روشنی میں

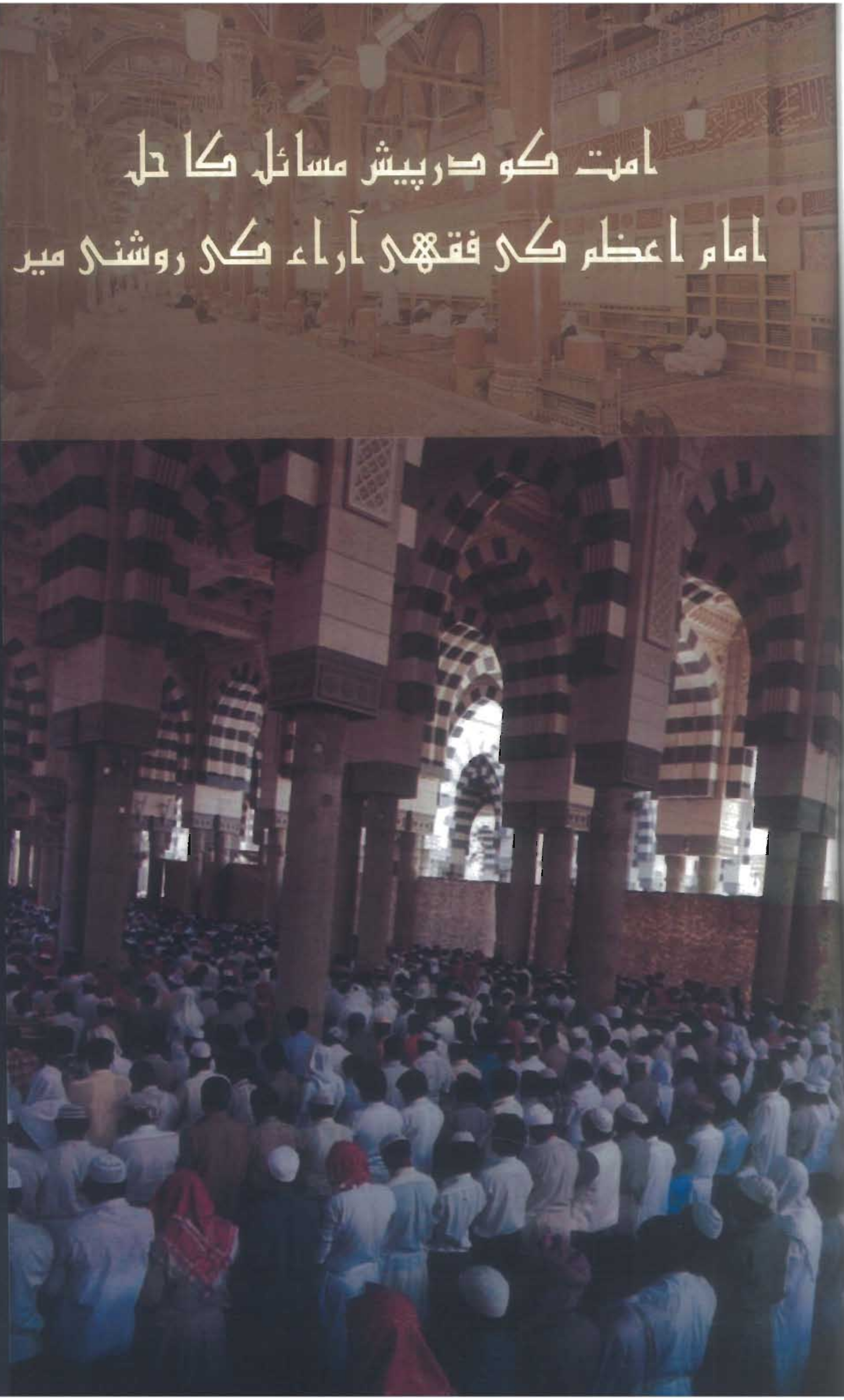

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر
شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی

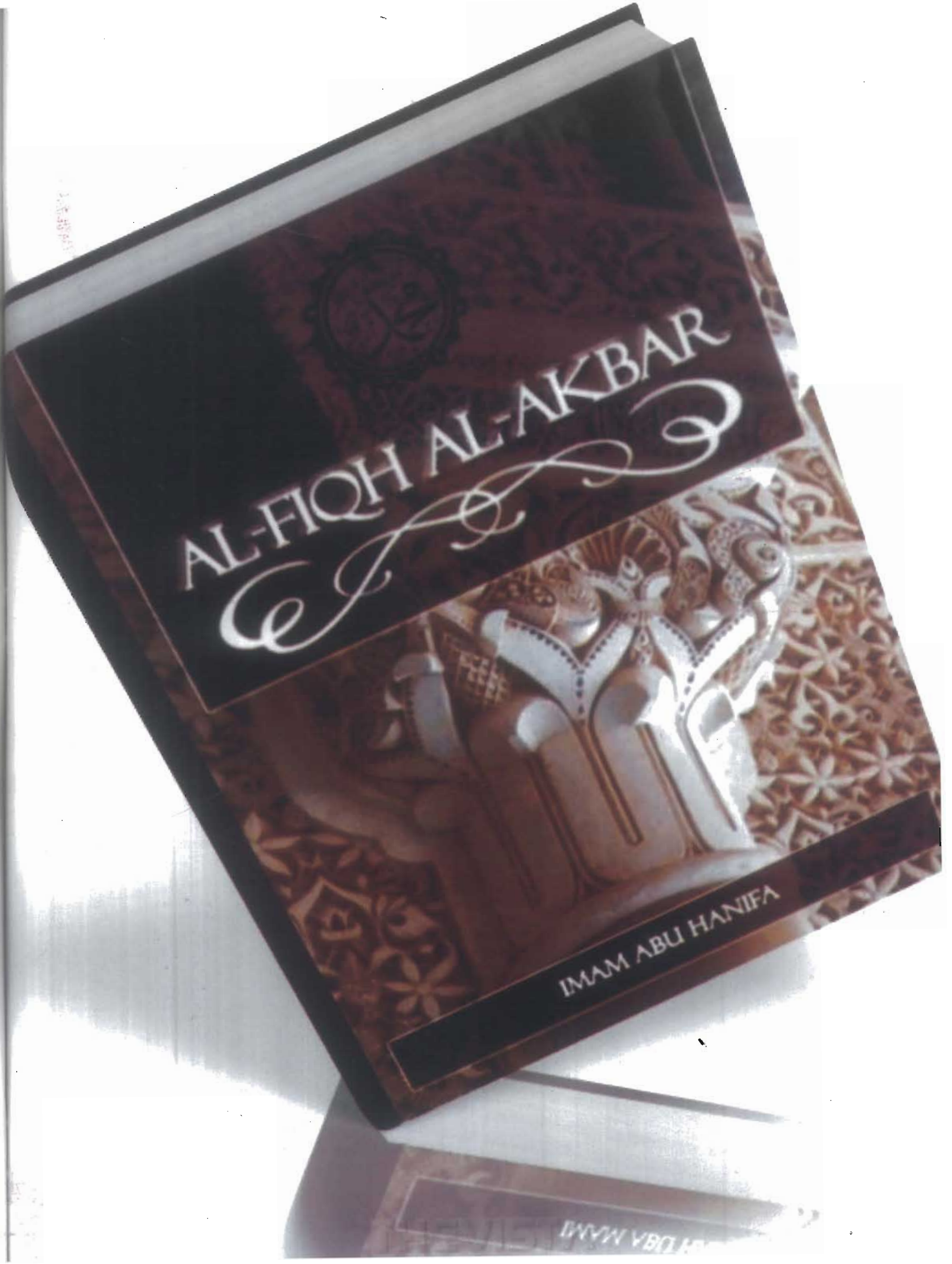
AL-FIQH AL-AKBAR
IMAM ABU HANIFA